

نام دیو۔ مالی

نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی اور نگ آباد (دکن) کے باغ میں مالی تھا۔ ذات کا ڈھیر جو بہت
نیچے قوم خیال کی جاتی ہے۔ قوموں کا امتیاز مصنوعی ہے اور رفتہ رفتہ نسلی ہو گیا ہے۔ سچائی، نیکی، حسن
کسی کی میراث نہیں۔ یہ خوبیاں سچی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اُدنیجی ذات والوں میں۔

قیس ہو کوہ کن ہو یا عالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

مقبرے کا باغ میری نگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باغ کے احاطے ہی میں تھا۔
میں نے اپنے بنگلے کے سامنے چمن بنانے کا کام نام دیو کے سپرد کیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا
رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی سی کمر کی تھی۔ اُس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا لکھتے لکھتے
کبھی نظر اُٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو ہم تن اپنے کام میں مصروف پاتا۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں
دیکھ کر بہت تعجب ہوتا۔ مثلاً کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اُس کا احتمالاً
صاف کر رہا ہے۔ مثالاً صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالنا شروع کیا پانی ڈال
کر ڈول درست کی اور ہر رُخ سے پودے کو مڑ مڑ کر دیکھا پھر اُسے پاؤ پیچھے ہٹ کر اُسے
دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔
کام اُسی وقت ہوتا ہے جب اُس میں لذت آنے لگے بے مزہ کام نہیں بیگار ہے۔

اب مجھے اس سے دلچسپی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنا کام چھوڑ کر اُسے دیکھا کرتا۔ مگر اُسے
کچھ خبر نہ ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا اُس کے پاس کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اُس کے
کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی طرح ان کی پرورش اور نگہداشت
کرتا۔ ان کو سرسبز اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک

MD NADEEM IQBAL

ایک پودے کے پاس بیٹھا، اُن کو پیار کرتا، جھک جھک کے دیکھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا اُن سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا۔ اُن کو توانا اور ٹانٹا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا یا کوئی اور روگ پیدا ہو جاتا تو اُسے بڑا فکر ہوتا۔ بازار سے دوائیں لاتا۔ باغ کے دار و درخت یا مجھ سے کہہ کر منگاتا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا۔ اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اُسے بچا لیتا اور جب تک وہ تندرست نہ ہو جاتا اُسے چین نہ آتا۔ اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ پر دان چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ صنایع نہ ہوا۔

باغوں میں رہتے رہتے اُسے جڑی بوٹیوں کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔ خاص کر پتوں کے علاج میں اُسے بڑی مہارت تھی۔ دُور دُور سے لوگ اُس کے پاس پتوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔ وہ اپنے باغ ہی میں سے جڑی بوٹیاں لاکر بڑی شفقت اور غور سے اُن کا علاج کرتا۔ کبھی کبھی دوسرے گاؤں والے بھی اُسے علاج کے لیے بلالے جاتے۔ بلا تامل چلا جاتا۔ مفت علاج کرتا اور کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتا تھا۔

وہ خود بھی بہت صاف ستھرا رہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا۔ اس قدر پاک صاف جیسے روئی کا چوکا۔ کیا مجال جو کہیں گھاس پھوس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ روشیں باقاعدہ تھانولے درست، سینچائی اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ وقت پر، جھاڑنا بہارنا صبح شام روزانہ۔ غرض سارے چمن کو آئینہ بنا رکھا تھا۔

باغ کے دار و درخت (عبدالرحیم خاں فینسی) خود بھی بڑے کار گزار اور مستعد شخص ہیں اور دوسروں سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا بیڑی پینے لگے یا سائے میں جا لیٹے۔ نام طور پر انسان فطرتاً کاہل اور کام چور واقع ہوا ہے۔ آرام طلبی ہم میں کچھ موردی ہو گئی ہے۔ لیکن نام دیو کو کبھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں لگا رہتا۔ نہ سائنس کی تمنا نہ صلے کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں اور بادلیوں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ باغ پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیڑ تلمٹ ہو گئے جو بیج رہے وہ ایسے نڈھال اور مڑھلے ہوئے تھے جیسے دق کے بیمار۔ لیکن نام دیو کاچن ہرا بھرا تھا۔ اور وہ دُور دُور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کے لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے اور انہیں پینے کو پانی مشکل سے میسر آتا تھا۔ مگر یہ خدا کا بندہ کہیں نہ کہیں سے لے ہی آتا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا جب پانی کی قلت اور بڑھی تو اُس نے راتوں کو بھی پانی ڈھو ڈھو کے لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا، یوں سمجھیے کہ ادھا پانی اور ادھی کچھڑ ہوتی تھی۔ لیکن یہی گدلا پانی پودوں کے حق میں آبِ حیات تھا۔

میں نے اس بے مثل کارگزارِ ہی پر اُسے انعام دینا چاہا تو اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کے پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مسق نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تنگی ترشی ہو تو وہ ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اورنگ آباد کی خوش آب و ہوا میں باغ لگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سراج الحسن (نواب سراج یار جنگ بہادر) ناظم تعلیمات کے تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوق باغ بانی مشہور تھا۔ مقبرہ رابعہ دوران اور اس کا باغ جو اپنی تربیت و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے، مدت سے ویران اور سُستان پڑا تھا، وحشی جانوروں کا مسکن تھا اور جھاڑ جھنکاڑ سے پناہ پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بدولت سرسبز شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔ اب دُور دُور سے لوگ اُسے دیکھنے آتے اور سیر و تفریح سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو ادنیٰ پرکھنے میں بھی کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قدر دان تھے۔ اُسے مقبرے سے شاہی باغ میں لے گئے۔ شاہی باغ آخر شاہی باغ تھا۔ کئی کئی ننگراں کار اور بیسیوں مالی اور مالی بھی کیسے کیسے، ٹوکیو سے جاپانی، طہران سے ایرانی اور شام سے شامی آئے تھے۔ اُن کے بڑے ٹھاٹ تھے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی امج تھی۔ وہ شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اُس نے نہ فن باغ بانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ اُس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا۔ البتہ کام کی دھن تھی۔ کام سے پتہ لگاؤ تھا اور اسی میں اُس کی جیت تھی۔ شاہی باغ میں بھی اسی کا کام ہوا کاج رہا۔ دوسرے

مالی لڑتے جھگڑتے، سیندھی شراب پیتے، یہ نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا نہ سیندھی شراب پیتا۔ یہاں تک کہ کبھی بیٹری بھی نہ پنی۔ بس یہ تھا اور اُس کا کام۔

ایک دن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یورش ہوئی۔ سب مالی بھاگ بھاگ کر چھپ گئے۔ نام دیو کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں لگا رہا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ قفنا اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ مکھیوں کا غضب ناک جھلڑ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔ اتنا کاٹا اتنا کاٹا کہ بے دم ہو گیا۔ آخر اسی میں جان دے دی۔ میں کہتا ہوں اُسے شہادت نصیب ہوئی۔

وہ بہت سادہ مزاج بھولا بھالا اور منکسر المزاج تھا۔ اُس کے چہرے پر بٹاشٹ اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھگ کے ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی، اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گرمی ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا سایہ وہ دن رات برابر کام کرتا رہا۔ اُسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میں بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی لیے اُسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ وہ یہ باتیں جانتا ہی نہ تھا۔ اُسے کسی سے میر تھا نہ جلا پاتا۔ وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے محبت کرتا تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا، دقت پر کام کرتا، آدمیوں، جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا، لیکن اُسے یہ کبھی احساس نہ ہوا کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ نیکی اسی دقت تک نیکی ہے جب تک آدمی کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ جہاں اُس نے یہ سمجھنا شروع کیا، نیکی نیکی نہیں رہتی۔

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے اور بڑا آدمی کے کہتے ہیں۔ ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجہ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان انسان بنتا ہے۔ یہ سمجھو کہ دن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تو نے کتنی اور کس کی پوجا پاٹ یا عبادت کی۔ وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اُسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔

تھا تو ذات کا ڈھیڑ پر اچھے اچھے شریفوں سے زیادہ شریف تھا۔